اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

(ال عمران:79)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءُ

او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

علم اور عشق کے برتن:۔

پروردگارِ عالم نے ہر انسان کو دو خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ایک پھڑکتا ہوا دماغ اور دوسرا دھڑکتا ہوا دل۔ پھڑکتا ہوا دماغ علم الٰہی کا برتن ہے اور دھڑکتا ہوا دل محبتِ الٰہی کا برتن ہے۔انسان کو چاہیے کہ وہ ان دونوں برتنوں کو بھرا رکھے۔اگر دل عشقِ الٰہی سے بھر جائے لیکن دماغ علم سے خالی ہو تو انسان پھر بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔عشق انسان کو بدعات سکھاتا ہے جبکہ علم اس کے اندر توازن پیدا کرتا ہے۔اور اگر دماغ علم سے بھر جائے اور دل عشق سے خالی ہو تو پھر بھی انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔وہ خود پسندی اور تکبّر کا شکار ہو جاتا ہے۔شیطان کے پاس علم تھا مگر کیوں گمراہ ہوا؟ اس لئے کہ اس میں ''میں'' تھی اور اس نے کہا تھا کہ

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (الاعراف:12) میں اس سے بہتر ہوں۔

شیطان کو اسی عجب اور خود پسندی نے راندۂ درگاہِ بارگاہِ الٰہی بنا دیا تھا۔

تین واضح تبدیلیاں:

پہلے دور کے لوگوں میں اور آج کے دور کے لوگوں میں تین واضح تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔

(۱)......پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اللہ رب العزت کی معرفت کے حصول کے لئے دن رات فکر مند رہتے تھے جبکہ آج کا انسان کائنات کی معرفت حاصل کرنے کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ سائنسدان کمپیوٹر سکرین کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں تا کہ Galaxies (کہکشاؤں)، Solar System (نظامِ شمسی) اور Planets (سیاروں) کے بارے میں کائنات کی معرفت پا سکیں۔

(۲)......دوسری تبدیلی یہ دیکھنے میں آ رہی ہے کہ ہمارے اسلاف جتنی محنت اپنی آخرت کو بنانے کے لئے کرتے تھے آج کا انسان اس درجے کی محنت اپنی دنیا کو بنانے کے لئے کر رہا ہے۔ وہ دن رات دنیا کے پیچھے بھاگتا پھر رہا ہے۔ دنیا اس کے دل میں ایسی رچ بس چکی ہے کہ دن میں تو انسان دکان کے اندر ہوتا ہے لیکن رات کے وقت دکان انسان کے اندر ہوتی ہے۔ انہی سوچوں اور خیالوں میں اس کی رات بسر ہو جاتی ہے۔

(۳)۔تیسری تبدیلی یہ نظر آ رہی ہے کہ ہمارے اسلاف اپنی روح کو غذا بہم پہنچانے کے لئے جتنی محنت کرتے تھے آج کا انسان اپنے جسم کو غذا پہنچانے کے لئے اتنی محنت کر رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح کمزور ہوتی جا رہی ہے اور جسم کو غذا ضرورت سے زیادہ مل رہی ہے۔ پہلے زمانے میں لوگ کم کھانے کی وجہ سے مرتے تھے اور آج کے دور میں انسان زیادہ کھانے کی وجہ سے مرتا ہے۔ سب بڑی بڑی بیماریاں زیادہ کھانے کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ عورتوں کا اتنا وقت مصلے پر نہیں گزرتا جتنا کچن مین کیک اور دیگ بنانے میں گزر رہا ہوتا ہے۔

فلاسفروں اور انبیائے کرام کے اصول وضوابط میں فرق:

دنیا میں مختلف تہذیبوں کے جتنے سکالرز گزرے ہیں انہوں نے بھی انسانیت کی فلاح و بہبود کے اصول و ضوابط بنائے اور اللہ کے انبیاء علیہم السّلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بھی اصول وضوابط بنائے ۔ سکالرز کا وہ طبقہ تھا جس نے اپنی عقل کی بنیاد پر زندگی گزارنے کے اصول وضع کئے ۔ عقل کو جہاں فائدہ نظر آیا اس کام کو کر لیا اور جہاں عقل کو نقصان نظر آیا اس کام سے پیچھے ہٹ گئے ۔ دوسرے لفظوں میں وہ عقل کے پجاری ثابت ہوئے ۔اب انسانیت کا ایک طبقہ ان فلاسفروں اور سکالروں کے پیچھے چل رہا ہے اور ایک وہ کلمہ گو طبقہ ہے جو انبیاء کرام کے راستے پر چل رہا ہے ۔اس دوسرے طبقے کے لوگ وہ تھے جنہوں نے اپنے قلوب پر محنت کی اور ان کو ایمانِ حقیقی اور محبتِ الٰہی سے اور اپنے دماغ کو وحی کے علوم سے بھر لیا۔انہوں نے اللہ رب العزت کی منشا کے مطابق زندگی گزاری۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی میں تین نمایاں فرق نظر آتے ہیں

(ا)......وہ لوگ جو عقل کے پجاری بنے اور فلسفہ کے پیچھے چلے ان میں ایک بات تو یہ دیکھی گئی کہ انہوں نے انسانیت کی فلاح کے لئے جو اصول مرتب کئے ان کے ہم عصر لوگوں نے ان کی مخالفت کی ۔ چنانچہ ایک فلاسفر کے اصول کچھ اور ہوتے تھے اور دوسرے کے کچھ اور۔ گویا کہ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ تھا۔لیکن انبیاء کرام جب تشریف لائے تو ان سب نے ایک ہی بات کہی کہ تم اللہ رب العزت کی عبادت کرو۔ قرآن عظیم الشان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوااللّٰهَ (الاعراف:85) اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو،فرمایا اے میری قوم !بندگی کرو اللہ کی ۔

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (الاعراف:73) اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح، بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی۔

گویا سب انبیاء کرام علیہم السّلام نے اپنے سے پہلے نبیوں کی تصدیق کی کہ جس نظریے کا پرچار وہ کرتے تھے ہم بھی اسی نظریے پر کاربند ہیں۔

(۲)......دوسرا واضح فرق یہ ہے کہ جن فلاسفروں نے اصول وضوابط پیش کئے ان کے شاگردوں نے اپنے استادوں کی باتوں کو رد کر کے انہیں ناقابلِ عمل بنا دیا۔ جیسے کمیونزم ایک طریقہء زندگی تھا لیکن ستر سال کے بعد خود کمیونزم پر چلنے والے لوگوں نے ہی لینن کے مجسمے کو سڑکوں پر گھسیٹا کہ اس آدمی نے ہمیں غلط راستے پر لگا دیا تھا۔......دوسری طرف جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے ان سب کے شاگردوں نے پوری زندگی ان کی تصدیق کی۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جو کچھ اللہ رب العزت کی طرف سے لے کر آئے سب صحابہؓ نے اس کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ ابو جہل نے کہا، ابو بکر! کیا کوئی بندہ رات کے وقت مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک جا سکتا ہے؟ فرمایا، جا تو نہیں سکتا۔ وہ مردود کہنے لگا، تمہارے دوست کہتے ہیں کہ میں گیا ہوں۔ فرمایا، اگر وہ کہتے ہیں تو وہ اللہ کے نبی ہیں اور سچ کہہ رہے ہیں۔ سبحان اللہ، فوراً تصدیق کر دی۔

(۳)......ایک تیسرا فرق یہ نظر آتا ہے کہ جن لوگوں نے عقل کی بنیاد پر اصول بنائے انہوں نے جب بھی کوئی اصول بنایا اور سمجھایا تو انہوں نے اپنے آپ کو آگے پیش کیا اور کہا،

......میں نے یہ سوچا

......میں اس نتیجے پر پہنچا

......میری ریسرچ یہ بتاتی ہے

......میرا تجربہ یہ کہتا ہے

......میرے ذہن میں یہ خیال آیا

......میں نے یہ فیصلہ کیا ہے

گویا ان کی پوری بات کا نچوڑ ''میں'' ''میں'' اور ''میں'' نکلا......جبکہ انبیائے کرام علیہم السّلام جو تعلیمات لے کر آئے ان سب نے انسانیت کی توجہ اللّٰہ رب العزت کی طرف دلائی۔ انہوں نے اپنی بات کو مقدم نہیں کیا بلکہ اللّٰہ کے پیغام کو مقدم کیا اور فرمایا،

......اللّٰہ رب العزت نے یہ فرمایا

......اللّٰہ رب العزت نے یہ نازل فرمایا

......میری طرف اللّٰہ تعالیٰ کا یہ پیغام آیا

......اللّٰہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا

یعنی ان تمام تعلیمات میں انبیائے کرام نے انسانیت کو اللّٰہ کے در پر پہنچایا۔

الحمد للہ، ثم الحمد للہ، جس دین پر ہم کار بند ہیں یہ تمام ادیانِ عالم کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ جیسے دودھ سے مکھّن کو نکال کر کہتے ہیں کہ یہ سارے دودھ کا نچوڑ ہے اسی طرح یوں سمجھئے کہ شریعتِ محمدی ﷺ بھی تمام شریعتوں کا نچوڑ ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جس کے بارے میں اللّٰہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ......(المآئدہ:3)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو مکمّل کر دیا اور میں نے یہ نعمت تم پر مکمّل کر دی۔

سبحان اللہ، خود پروردگارِ عالم نے اسے نعمت قرار دیا......قربان جائیں اس پروردگار کی فیاضی پر کہ اس نے ہم عاجز مسکینوں کو اس شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ یاد رکھیں کہ یہ ایک کامل شریعت ہے، اس شریعت کو جاننے کے لئے علم حاصل کرنا پڑتا ہے۔ علم کے بغیر شریعت کا پتہ نہیں چلتا۔

انسان کانیں ہیں:

محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا،

اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ انسان کانیں ہیں۔

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ بہت ہی قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے۔ لوگ تو دنیا میں کسی کی اچھی بات کو سن کر کہہ دیتے ہیں کہ فلاں نے تو لاکھ روپے کی بات کہی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس فرمان کو اس سے تشبیہہ دی ہی نہیں جاسکتی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کو ملین اور بلین ڈالر سے بھی تشبیہہ نہیں دی جاسکتی۔

کان زمینی خزانے کو کہتے ہیں۔ کہیں سونے کی کان ہوتی ہے، کہیں تانبے کی کان ہوتی ہے، کہیں لوہے کی کان پائی جاتی ہے، کہیں یورینیم کی کان پائی جاتی ہے۔ ان کانوں سے چیزیں نکال کر طرح طرح کے فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔...... نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انسانوں کو کانوں کے ساتھ اس لئے مشابہت دی کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صفات کے خزانے رکھ دیئے ہیں۔ جیسے کانوں میں سے چیز خود نکالنی پڑتی ہے اسی طرح انسان اپنی محنت سے ان چھپی ہوئی صفات اور صلاحیتوں کو بیدار کرسکتا ہے...... چونکہ ہر بندے میں یہ صلاحیتیں ہوتی ہیں اس لئے کسی بندے کو بھی کم نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ حدیثِ پاک میں آیا ہے،

خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا فَقِهُوْا تم میں سے اسلام میں وہ بندہ بہتر ہے جو جاہلیت میں بہتر تھا۔ جب وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

جب وہ اسلام کی طرف آ کر نیک بنیں گے تو وہ دین میں بھی تم سے آگے نکل جائیں گے اور ان کو فقاہت (سمجھ) مل جائے گی۔ اس لئے کہ ابتدا میں جوڑا کوؤں کا لیڈر ہوگا، جب توبہ کرے گا تو وہ نیکیوں میں بھی دوسروں سے آگے بڑھ جائے گا، کیونکہ اس کے اندر Leadership (قیادت) کی Capability (صلاحیت) موجود ہوتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بیج کے اندر درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ بڑ کا درخت کتنا بڑا ہوتا ہے لیکن اس کا بیج مٹر کے دانے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ اتنے چھوٹے سے بیج میں اتنا بڑا درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، لیکن ہر بیج درخت نہیں بنتا۔ صرف وہ بیج درخت بنتا ہے جس کو زرخیز زمین، پانی اور حفاظت کرنے والا مالی ملتا ہے، ورنہ کئی بیج زمین میں پڑے پڑے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کی یہ خوابیدہ صلاحیتیں تب بیدار ہوتی ہیں جب ان کو نیک صحبت مل جائے اور کوئی اچھا استاد اور مربی مل جائے جو اسے موقع بہ موقع گائیڈ کرتا رہے۔

شاہ بھیکؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ہندی زبان میں ایک عجیب شعر لکھا...... اس شعر کی بنیاد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی یہ بات بنی کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر انسان ولی بالقُوَّ ۃ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اتنی صلاحیتیں دے رکھی ہیں کہ اگر وہ ان کو بروئے کار لائے تو وہ اللہ رب العزت کا ولی بن سکتا ہے۔ مگر ولی بالفعل بننے کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ محنت کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے کوئی کوئی اللہ کا خاص ولی بنتا ہے۔...... شاہ بھیکؒ اپنا تخلّص بھیکا لکھتے تھے۔ انہوں نے یہ شعر لکھا

بھیکا بھکھا کوئی نہیں ہر دی گٹھڑی لعل گرہ کھول نہ جاندے تے ترت پھرن کنگال

بھیکا! کوئی بھی بھوکا نہیں ہے ہر ایک کے پاس Pearl and Diamond (لعل و جواہر) ہیں۔ یہ اپنی گٹھڑی کی گرہ کو کھولنا نہیں جانتے اسلئے بیچارے کنگال پھرتے ہیں...... واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر صلاحیتیں رکھی ہیں، ہم ان صلاحیتوں کو بیدار نہیں کرتے اس لئے کنگال زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ان خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔اس لئے دین اسلام کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم کر دیا گیا ہے۔

☆ فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ہے

☆ واجبات کا علم حاصل کرنا واجب ہے

☆ سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔

علم حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے ساتھ ہر وقت تو مفتی نہیں ہوتا کہ اس سے پوچھ کر کام کرے گا۔ضروریاتِ دین کا علم تو ہر صورت حاصل کرنا چاہیئے۔البتہ اگر کوئی مکمّل دین کا علم حاصل کر لے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے۔یہ اللہ رب العزت کی نعمت ہے جس کو چاہے عطا کر دے۔

سمجھ کب بیدار ہوتی ہے؟

انسان کی سمجھ کب بیدار ہوتی ہے اور اس میں فقاہت کب پیدا ہوتی ہے؟...... اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کا دل سنورتا ہے تب اس کے اندر فقاہت اور سمجھ پیدا ہوتی ہے۔اسی لئے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا،

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ (الحج:46) ان کے دل ہوتے جو ان کو عقل سکھاتے۔

گویا عقل کو قلب کا تابع بنایا گیا ہے۔

خانقاہ سے کیا مراد ہے؟

ہمارے معاشرے میں دل سنورنے کی جو درسگاہیں ہیں، ان کو خانقاہیں کہتے ہیں۔ یہ خانقاہ کسی عمارت کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ شخصیات کا نام ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے مشائخ کی خدمت میں وقت گزارا اور ان سے تربیت پائی، پھر ان مشائخ نے ان کے علم اور عمل کے اندر جوڑ اور ظاہر و باطن کے اندر فرق کو ختم کرتے دیکھا تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ

......اب یہ بندہ سچ کی زندگی گزار رہا ہے

......اب یہ بندہ تربیت پا چکا ہے اور

......اب یہ دوسروں کو اللہ اللہ سکھانے کے قابل ہے۔

اس شخصیت کا نام خانقاہ ہوتا ہے۔

یونیورسٹیوں اور خانقاہوں کی تعلیمات میں فرق:

آج یونیورسٹیوں میں بھی تعلیم ملتی ہے اور خانقاہوں میں بھی تعلیم ملتی ہے، مگر دونوں میں فرق ہے۔ یونیورسٹی عمارت کا نام ہوتا ہے اور خانقاہ کوئی عمارت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک چلتی پھرتی یونیورسٹی ہوتی ہے ......یونیورسٹیوں میں ایک خاص وقت کے لئے تعلیم دی جاتی ہے لیکن ان خانقاہوں میں چوبیس گھنٹے تعلیم ہوتی ہے اور جو طلباء ان خانقاہوں میں آ کر رہتے ہیں وہ چوبیس گھنٹے کے سٹوڈنٹ ہوتے ہیں۔ دن ہو یا رات، وہ اپنے شیخ سے دین سیکھ رہے ہوتے ہیں ...... یونیورسٹیوں کا کورس چند سالوں کا ہوتا ہے، مثلاً ڈاکٹر چند سالوں میں ڈاکٹر بن جاتا ہے اور اسے چھٹی ہو جاتی ہے۔ لیکن خانقاہوں کا کورس ایسا ہے کہ ساری عمر چھٹی نہیں ملتی، انسان کو یہ کورس پوری زندگی میں یعنی اپنی قبر میں جانے تک کرنا پڑتا ہے۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اگر کوئی محنت کر کے اپنے آپ کو بنا تا ہے تو پھر مشائخ اس کو بیٹھنے نہیں دیتے، بلکہ وہ اسے آگے دوسروں کی خدمت (اصلاح) میں لگا دیتے ہیں۔

خانقاہوں کا سب سے بڑا فائدہ:

یہ خانقاہیں ایسی ہیں کہ انسان کو فائدہ مند علوم سے فائدہ حاصل کرنے والا بنا دیتی ہیں اور ان کا جو نقصان دہ پہلو ہوتا ہے اس سے بچا لیتی ہیں۔ جیسے جسم کے اندر معدہ...... جو غذا ہم کھاتے ہیں اس میں کچھ غذا تو وہ ہوتی ہے جو جسم کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اور معدہ اس غذا کو خون بنا کر جسم کے مختلف اعضاء کو بھیج دیتا ہے لیکن جو چیزیں نقصان دہ ہوتی ہیں ان کو پیشاب پاخانہ بنا کر خارج کر دیتا ہے۔ گویا غذا کا وہ پہلو جو فائدہ مند تھا اس کو حاصل کر لیا اور جو نقصان دہ تھا اس سے بچا لیا۔ خانقاہوں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ انسان جو علم حاصل کرتا ہے اس کا فائدہ مند پہلو یہ ہے کہ اس کے دل کے اندر

......عبادات کا شوق پیدا ہو جائے

......اخلاص پیدا ہو جائے

......خشوع وخضوع پیدا ہو جائے اور

......نماز کو اچھے انداز کے ساتھ پڑھنے والا بن جائے۔

یہ سب فائدے اسے حاصل ہو جاتے ہیں مگر اس کا ایک نقصان دہ پہلو بھی ہے کہ جب کسی بندے کے اندر علم آتا ہے تو پھر اس کے اندر ''میں'' آجاتی ہے۔ پھر وہ خود پسندی اور تکبّر کا شکار ہو کر اپنی علمیت کو منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ ''ہم چو ماں دیگرے نیست'' کے مصداق اس کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ میرے جیسا کوئی اور نہیں ہے۔ یہود کے اندر علم زیادہ تھا اسی لئے انہوں نے سوچنا شروع کر دیا

کہ

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المآئدہ:18) ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔

انہوں نے یہ بات تکبّر کی وجہ سے کہی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا،

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ (الاعراف:146) میں پھیر دونگا ان کو اپنی آیتوں سے جو تکبّر کرتے ہیں، زمین میں ناحق۔

چونکہ تکبّر ایک نقصان دہ چیز ہے اس لئے خانقاہوں میں علم کے فائدہ مند پہلو کو تو انسان پر لاگو کر دیا جاتا ہے مگر اس تکبّر اور خود پسندی کو اس کے اندر سے نکال دیا جاتا ہے جس سے انسان کو فائدہ ہو جاتا ہے۔ تکبّر اور خود پسندی کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ آج تو لوگ ایک اچھا خواب دیکھ کر اپنے معتقد بن جاتے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم بڑے پہنچے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ شیطان اس کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی طرف ان کی توجہ نہیں دلاتا بلکہ انہیں اپنا معتقد بنا دیتا ہے۔ انسان اللہ والوں کی خدمت میں آ کر اس نقصان دہ پہلو سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

خانقاہوں میں کیا تربیت دی جاتی ہے؟

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی یہ اکیلے رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ جب مل جل کر رہیں گے تو پھر ایک دوسرے کے حقوق بھی لاگو ہوں گے۔ اس لئے انسان دوسروں کے ساتھ ایسی معاشرت رکھے کہ وہ حسد، کینہ، تکبّر اور دیگر اخلاق رذیلہ سے بچ جائے۔ اس مقصد کے لئے اسے تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ اچھی صفات خود بخود انسان کے اندر آتی نہیں اور بری صفات خود بخود جاتی نہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ آج فیصلہ کر

لیں کہ آج کے بعد مجھے جھوٹ نہیں بولنا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کے اس فیصلے کے بعد آپ کو یہ چیز حاصل ہو گئی ہے۔نہیں، بلکہ چونکہ عادت بنی ہوئی ہے اس لئے بے اختیار زبان سے جھوٹ نکل جائے گا۔ایک چھوٹی سی بات بتاتا ہوں۔مثلاً کوئی آدمی فون پر یہ کہہ دے کہ ''میں ایک سیکنڈ میں آیا'' یہ حقیقت میں جھوٹ ہے لیکن انسان اس کو خود نوٹ نہیں کرتا۔اچھا اگر وہ کسی کی نشاندہی پر نیت کر بھی لے کہ آئندہ میں نہیں کہوں گا تو وہ پھر بھی کہہ بیٹھے گا کیونکہ اس کی عادت بن چکی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں عادت بن چکی ہوتی ہیں ان کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔اس لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے سمجھائے کہ اس وقت آپ یہ غلطی کر رہے ہیں۔اسی تربیت کا نام ''تزکیہ'' ہے اور خانقاہوں میں یہی تربیت دی جاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی تربیت:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی تربیت فرمائی اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی۔نبی علیہ السّلام کے تربیت کرنے کے مختلف انداز تھے۔

☆......کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ناپسندیدہ بات سرزد ہو جاتی تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے تھے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ لیتے تھے۔

☆......بسا اوقات نبی علیہ السّلام کوئی بات دیکھتے تھے تو خاموشی اختیار فرما لیتے تھے۔آقا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خاموشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو جاتی تھی۔

☆......بعض اوقات نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی زبان مبارک سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

کبھی خاموش رہ کر تربیت فرمائی اور کبھی بات بتا کر تربیت فرمائی۔ایک صحابیؓ نے کوئی سوال پوچھا، اس

کے بعد پھر سوال پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اس وقت تک نہ پوچھو جب تک میں تم سے نہ کہوں، تم سے پہلی قوموں پر اسی لئے عذاب اترا کہ وہ اپنے انبیاء سے کثرت سے سوال پوچھتے تھے۔

☆......کبھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے درخت کی ٹہنی ہلائی اور جب پتے گرے تو سمجھایا کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے موسم میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

☆......کبھی کسی کو نہر کی مثال دے کر سمجھایا کہ اگر کسی کے گھر کے سامنے نہر ہو اور وہ اس میں پانچ دفعہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل کچیل رہے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، نہیں۔ فرمایا کہ جو شخص پانچ وقت وضو کرتا ہے وہ بھی گناہوں کی میل کچیل سے پاک ہو جاتا ہے۔

علومِ دینیہ کے اثرات:

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام انبیائے کرام کے دلوں پر نازل فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ (البقرہ: 97) بے شک اس نے اس قرآن کو نازل کر دیا آپ کے قلب پر۔

تو وحی کا تعلّق دل کے ساتھ ہوتا ہے، عقل کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس لئے جو علوم انسان کو قلب کے ذریعے سے ملے ہیں وہ ٹھوس اور پکے ہیں اور جو علوم انسان کو عقل کے ذریعے سے ملتے ہیں وہ پختہ نہیں ہوتے۔ ایک بات کے بعد عقل دوسری بات سوچتی ہے، پھر تیسری بات سوچتی ہے، لہٰذا انسان عقل کے اوپر اپنی زندگی کی بنیاد نہیں باندھ سکتا۔

انبیائے کرام علیہم السّلام نے علومِ دینیہ دوسرے انسانوں کو سکھائے۔ انہوں نے اس پیغامِ خداوندی کی وضاحت فرمائی۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل:44) تا کہ آپ بیان کر دیں۔ وہ جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا۔

اس لئے یہ علوم صداقتوں اور سچائیوں پر مبنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک پہنچائے ہیں۔ ان سچائیوں کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے والے لوگ ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔ ان الہامی علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو اپنے آپ کو ستھرا کرنا پڑتا ہے تا کہ گناہوں کی میل کچیل اتر جائے۔ جب تک انسان کا من ستھرا نہ ہو اسے یہ علوم فائدہ نہیں دیتے۔ چنانچہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لائے تو آپ ﷺ کے مقاصد میں سے ایک یہ مقصد بھی تھا،

وَ یُزَکِّیْهِمْ (البقرہ:129) اور آپ ان کو ستھرا فرمائیں گے۔

اسی حکم کی بنا پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ فرمایا۔ یہ تزکیہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جب انسان کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو پھر یہ علوم انسان کے اندر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔

......قلب کے اندر ایمان بڑھتا ہے

......محبتِ الٰہیہ بڑھتی ہے

......خوفِ خدا بڑھ جاتا ہے اور

......اس کا دل سنور جاتا ہے۔

ایسا ہی انسان کامیاب زندگی گزارتا ہے۔

ایمان والوں کی دو نشانیاں:

قرآن مجید کی ایک آیت میں ایمان والوں کی دو نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ اب ہم ان نشانیوں کو اپنی زندگی مین تلاش کریں۔

پہلی نشانی......ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال:2) بے شک ایمان والے بندے وہ ہیں کہ جن کے سامنے اللہ رب العزت کا تذکرہ کیا جائے تو ان کے دل پھڑک اٹھتے ہیں۔ جیسے محبوب کا نام سن کر بندہ متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی کیفیت بدل جاتی ہے اس طرح مؤمن بھی اللہ رب العزت کا نام سن کر پھڑک اٹھتا ہے۔

اک دم بھی محبّت چھپ نہ سکی جب تیرا کسی نے نام لیا

اب ہم یہ نشانی اپنی زندگی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب ہمارے سامنے اللہ رب العزت کا نام لیا جاتا ہے تو کیا ہم اپنے قلب میں اسکی حرارت محسوس کرتے ہیں؟ اور اگر پرواہی نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر وہ کیفیت ابھی کامل درجے کی نہیں پیدا ہوئی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جس بندے نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ضرور ہے۔ لیکن اس محبّت کو بڑھا کر ہم نے شدید تر بنانا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرۃ:165) اور ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔

دوسری نشانی......اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا (الانفال:2) اور جب ان کے سامنے قرآن پاک کی آیات

تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

کیا یہ کیفیت بھی ہمیں حاصل ہے کہ جب ہم قرآن پاک کی آیات پڑھیں یا سنیں تو ہمارے اوپر بھی یہ اثرات ہوں؟

رحمتوں کے جھرمٹ میں رحمت سے محرومی:

یہ بات بڑے افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ ایک قاری صاحب اپنے حالات بتاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ حضرت! جب میں بچوں کو پڑھا رہا تھا تو عین سبق سننے کی حالت میں میری شہوت بھری نظر ایک بچے پر پڑ رہی تھی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن پڑھا جائے وہاں رحمت اترتی ہے۔ اب وہ بندہ جس نے فجر سے پہلے کلاس لینی شروع کی اور پھر فجر کے بعد سے لے کر عشاء تک مختلف وقفوں سے بچوں کو اللہ کا قرآن پڑھایا، خود بھی پڑھا، بچوں سے بھی سنا اور ایک وقت میں درجنوں بچوں کی قرآن پڑھنے کی آواز اس کے کانوں میں جاتی رہی تو وہ تو دن کے بارہ چودہ گھنٹے اللہ کی رحمتوں کے جھرمٹ میں بیٹھا رہا۔ ایسے بندے کا دل تو بالکل ڈھل جانا چاہیے تھا، اس پر نفس و شیطان نے غلبہ کیوں کیا اور اس پر قرآن مجید کی تلاوت کا اثر کیوں نہ ہوا؟ ہمارے مشائخ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اللہ کی رحمتوں کے اترنے میں تو کوئی شک ہی نہیں مگر اس کا دل ان رحمتوں کو جذب نہیں کر رہا ہوتا۔

ایک مثال سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی...... جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اگر آپ اس کو پہلے دن بھینس کا دودھ پلا دیں تو اس کا معدہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کا پیٹ خراب ہو جائے گا اور اسے اسہال کی تکلیف ہو جائے گی۔ اس لئے بچے کو یا تو ماں کا دودھ پلایا جائے یا بکری کا دودھ پلایا جائے۔ چونکہ بکری کا دودھ بہت ہلکا اور پتلا ہوتا ہے اس لئے بچہ اسے برداشت کر لے گا اور جوان ہو کر

بھینس کا ایک کلو دودھ بھی برداشت کر لے گا......کیا مطلب؟......مطلب یہ ہے کہ شروع میں اس کی استعداد کمزور تھی اس لئے اسے کسی ہلکی پھلکی چیز کی ضرورت تھی، جب ہلکی غذا ملتی رہی اور وہ پرورش پاتا رہا تو پھر اس کے اندر استعداد بڑھتی گئی، حتیٰ کہ اس کے اندر گائے کا دودھ جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ پھر جب بڑھتے بڑھتے وہ جوان ہوگیا تو اب اس کے اندر بھینس کا دودھ برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی...... بالکل اسی طرح قرآن مجید کے انوارات ثقیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (المزّمّل:5) ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات نازل کریں گے۔

اس لئے اس کے انوارات کو برداشت کر لینا ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کے انوارات بہت لطیف ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کا قلب گناہوں کی میل کی وجہ سے جتنا بھی گندہ ہو ذکر کے انوارات کو قبول کر لیتا ہے۔ اس ذکر اللہ سے اس کے قلب کی نورانیت بڑھتی رہتی ہے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کا قلب لا الٰہ الا اللہ کے انوارات قبول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے کرتے انسان کی ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ جب وہ قرآن مجید کے انوارات سے بھی فیض پانا شروع کر دیتا ہے۔ اب اس کے قلب کی روحانیت اتنی بن چکی ہوتی ہے کہ یہ قرآن سن کر پھڑک اٹھتا ہے۔

سورۃ زلزال سننے کی تمنا:

ہمارے مشائخ کے کانوں میں جب قرآن مجید کی تلاوت کی آواز آجاتی تھی تو ان کی کیفیت بدل جاتی تھی۔ وہ آیات سن کر پھڑک اٹھتے تھے۔ کئی تو ایسے حضرات بھی تھے کہ وہ یہ دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ! ہم سورۃ زلزال پوری سن سکیں۔ ابھی شروع کی جاتی تھی تو چند آیات کے بعد ان پر بے ہوشی طاری ہو

جاتی، وہ غش کھا کر گر جاتے تھے اور کئی دنوں کے بعد انھیں ہوش آتا تھا۔

اتنا خوفِ خدا......!!!

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک مرتبہ تہجّد کی نماز میں ایک آیت پڑھی،

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّجَحِیۡمًاo وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیۡمًا (المزّمّل:13-12) البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک۔

آپ ﷺ کے پیچھے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ انہوں نے یہ آیت سنی اور اسی وقت گر کر اپنی جان دے دی۔ ان حضرات کو اتنا خوفِ خدا ہوتا تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پوری رات یہ آیت پڑھتی رہیں، وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ o (الزمر:47) اور نظر آئے ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے۔

وہ حضرات قرآن مجید کے انوارات سے فیض پاتے تھے۔ پھر ان کے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور قرآن مجید اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ فرمایا،

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (المآئدہ:83) اور جب سنتے ہیں اس کو جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں کہ ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس بات سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو۔

کیا آج ہماری بھی یہ کیفیت ہوتی ہے؟ اگر یہ ہماری کیفیت نہیں ہے تو یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ ہمیں ابھی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر قرآن پڑھتے سنتے ہوئے ہمارے اندر سے شہوات زائل نہیں ہو رہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمیں بھی اپنے دل کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی رو

حانی ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کروانے کی ضرورت ہے۔ اگر نہیں کروائیں گے تو ان نجاستوں کو اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائیں گے۔

حدیثِ جبرئیل کی وضاحت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حدیثِ جبرائیل کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں آئے۔ ان کے کپڑے سفید تھے اور بال کالے تھے، چہرہ تروتازہ تھا۔ وہ آ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں اس طرح بیٹھ گئے کہ انہوں نے اپنے گھٹنے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھٹنوں کے ساتھ التحیات کی شکل میں بیٹھ کر ملا دیئے۔ انہوں نے آ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سوال پوچھے۔

☆ پہلے پوچھا، ما الایمان ؟ ایمان کیا ہے؟'' نبی علیہ السّلام نے اسکا جواب دے دیا۔ پھر وہ کہنے لگا،'' صدقت'' کہ اے نبی علیہ السّلام! آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں حیرانی ہوئی کہ ایک تو سوال پوچھ رہا ہے اور پھر جواب ملنے پر جواب کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ جیسے پہلے ہی جواب کا پتہ ہے۔

☆ پھر دوسرا سوال پوچھا،'' ما الاسلام ؟ اسلام کیا ہے؟'' نبی علیہ السّلام نے اس کا بھی جواب دیا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں اور حیرانی ہوئی۔

☆ پھر تیسرا سوال پوچھا،'' ماالا حسان؟ احسان کیا ہے؟'' نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَ نَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یراک

یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو ایسا نہیں دیکھ سکتا تو یوں سمجھ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

انہوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی اور چلے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی گفتگو سے حیران

تھے کہ یہ بندہ قریب کا ہی لگتا ہے کیونکہ اس کے کپڑوں اور بدن کے آثار دور سے آنے والے کے نہیں تھے مگر چونکہ ہم میں سے اسے کوئی جانتا نہیں اس لئے یہ قریبی کیسا؟ اور اگر یہ دور سے آیا ہے تو اس کے کپڑوں اور چہرے پر گرد کے نشان کیوں نہیں؟......وہ یہی سوچ رہے تھے کہ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا،

هٰذَا جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ یہ جبرئیل تھے، یہ اس لئے آئے تھے کہ یہ تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔

غور کیجئے کہ جبرائیل علیہ السّلام آکر تین سوال پوچھتے ہیں اور پھر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرائیل تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔......اب اس حدیث میں چند باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جبرئیلؑ اپنی مرضی سے نہیں آئے ہوں گے کیونکہ فرشتوں کی یہ صفت ہے کہ

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:6) اللہ ان کو جو حکم کرتا ہے۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیلؑ خود نہیں آئے تھے بلکہ انہیں پروردگار نے بھیجا تھا۔

دوسری بات یہ کہ یہ سوال بھی حضرت جبرائیلؑ نے خود نہیں پوچھے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے سوال پچھوائے۔ پروردگارِ عالم نے پسند کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان باتوں کا پتہ چل جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو ایک ذریعہ بنا دیا۔

تیسری بات یہ کہ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیلؑ تمہیں تمہارا دین سکھانے لئے آئے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں سوال دین ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ماالاحسان والی کیفیت کا حاصل کرنا بھی دین ہے۔ یہ دین سے باہر کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو اسے دین سے باہر کی چیز سمجھے گا اس کا دین ادھورا رہ جائے گا۔دین اس وقت کامل ہوگا جب ایمان، اسلام اور احسان تینوں کی کیفیات حاصل ہوں گی۔

نمازوں پر محنت کرنے کی ضرورت:

اب آپ اپنی نمازوں پر غور کر لیجئے۔ حدیثِ پاک میں دو کیفیتیں بیان کی گئی ہیں کہ یا تو اس طرح عبادت کرو کہ جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہو یا پھر یوں کرو کہ جیسے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتے ہیں۔اگر ہماری نماز میں نہ تو پہلی کیفیت ہے اور نہ ہی دوسری کیفیت ہے تو پھر ہم کیسی نمازیں پڑھتے پھر رہے ہیں۔معلوم ہوا کہ ہماری نمازیں نہ پہلی حالت والی ہیں اور نہ ہی دوسری حالت والی ہیں، پھر یہ تیسری حالت والی نمازیں کیسے قبول ہوں گی جو دنیا کے خیالات سے بھری ہوئی ہوں گی۔ہمیں اپنی نمازوں پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یا تو ہمیں مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو جائے اور اگر وہ حاصل نہیں ہوتی تو کم از کم مراقبہ کی کیفیت ہی حاصل ہو جائے۔اسی لئے ہمارے اسلاف اپنی نمازوں پر محنت کیا کرتے تھے۔

نماز میں ماسوٰی کی مداخلت کیسے دور ہوئی؟

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک مرتبہ سو رکعتیں صرف اس لئے پڑھیں تاکہ ماسوٰی کے خیال کے بغیر اللہ کی نماز ادا کر سکیں۔ مگر انہیں ہر دفعہ کوئی نہ کوئی خیال آجاتا۔سو رکعتیں ادا کرنے کے بعد بڑے متفکّر ہوئے کہ میں نے سو نفل بھی پڑھے اور میں ایک دوگانہ بھی ایسا نہ پڑھ سکا جس میں باہر کا کوئی خیال نہ آیا ہو۔ چنانچہ سید احمد شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت! میں نے سو رکعتیں اس نیت سے پڑھیں کہ مجھے کم از کم ایک دوگانہ ایسا نصیب ہو جائے جس میں کسی غیر کے بارے میں کوئی خیال نہ آئے مگر

مجھے ہر دفعہ کوئی نہ کوئی خیال آتا رہا، اب میں پریشان ہوں کہ میری نماز نماز کیسے بنے گی۔شاہ صاحب نے فرمایا، اچھا، تم تہجّد میں ہمارے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لینا۔ چنانچہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے سید احمد شہیدؒ کے مصلے کے قریب آکر تہجّد کی نیت باندھ لی، ان کی صحبت کا یہ اثر تھا کہ ابھی پہلی رکعت کا سجدہ ادا نہیں کیا تھا کہ ان کی طبیعت میں رقت پیدا ہوگئی، پھر وہ اتنا روئے کہ ان کے لئے نماز کا سلام پھیرنا مشکل ہو گیا......سو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں تو کچھ نہ بنا اور طبیب کے پاس آکر دو رکعت کی نیت باندھی تو ایسا گریہ طاری ہوا کہ سلام پھیرنا مشکل ہو گیا......تو یہ حضرات زندگی کے اعمال کو بنانا سکھاتے ہیں۔سبحان اللّٰہ

کیفیاتِ نبوی کے وارث:

علمائے کرام علوم نبوی کے وارث ہیں اور مشائخ حضرات کیفیاتِ نبوی کے وارث ہیں۔ مثلاً اگر کسی نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی توکل دیکھنی ہو تو وہ کتابوں سے تھوڑا ملے گی، اس کو مشائخ کی زندگی میں دیکھنا پڑے گا......اگر زہد کو دیکھنا ہو......اگر انقطاع عن المخلوق کو دیکھنا ہو......اگر محبتِ الٰہیہ کی کیفیت کو دیکھنا ہو......اگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قلبِ اطہر کی کیفیات کا کوئی نمونہ دیکھنا چاہے گا تو اسے مشائخ کی صحبت اختیار کرنی پڑے گی......کچھ ایسے بھی خوش نصیب حضرات ہوتے ہیں جو علوم کے بھی وارث ہوتے ہیں اور کیفیات کے بھی وارث ہوتے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ ان کو حامل کامل بنا دیتے ہیں۔ ہمیں ایسا بننا ہے تاکہ ہمیں بھی نبی علیہ السّلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انابت الی اللّٰہ کی کیفیت نصیب ہو جائے۔ یہ محنت کرنی ہمارے لئے ضروری ہے۔ہم جو مدارس میں آئے تو ہمارا اصل مقصد یہی ہے۔ ہم نے یہاں سے فقط الفاظ پڑھ کر نہیں جانا۔ فقط علم پر مغفرت ہوتی تو پھر شیطان کی مغفرت ہم سے پہلے ہو جاتی، اس لئے کہ وہ ہم سے بڑا عالم ہے۔ معلوم ہوا کہ فقط علم کی بات نہیں ہے، اس علم پر عمل کی بات ہے

اور عمل پر اخلاص کی بات ہے، تب جا کر علم کا اصل مقصود حاصل ہوتا ہے۔اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب ہم اساتذہ کے سامنے پڑھنے بیٹھیں تو اس نیت سے بیٹھیں کہ ہم نے جو کچھ پڑھنا ہے اس پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ہم جو کچھ آج سنیں گے اس پر عمل کریں گے۔یہ نہیں کہ ہم سارا علم پڑھ کر عالم بن لیں اور پھر اکٹھا عمل کریں گے۔اگر یہ نیت کرلیں گے تو شیطان کے بہکاوے میں آجائیں گے اور پھر شیطان عمل کی توفیق نہیں ہونے دے گا۔

علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے:

کسی شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال پوچھا، حضرت! دین کی جو کتابیں آپ نے پڑھیں وہی کتابیں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پڑھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپ کو دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے عجیب جواب دیا کہ میرے ساتھیوں نے قرآن مجید کو اس نیت سے پڑھا کہ ہم معارفِ قرآن کو جان لیں اور حقائقِ قرآن مجید سے واقف ہو جائیں، اسلئے ان کو وہ حقائق تو مل گئے مگر وہ نعمت نہ ملی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر دی۔اس نے پوچھا، حضرت! آپ کو یہ نعمت کیسے ملی؟ فرمانے لگے کہ میں نے جب بھی قرآن کو پڑھا، ہمیشہ اس نیت سے پڑھا کہ اے اللہ! تیرا غلام حاضر ہے، تیرا حکم جاننا چاہتا ہے کہ جس کو یہ اپنی زندگی میں عمل میں لے آئے......سبحان اللہ۔یہی چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھی۔سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اڑھائی سال کے اندر سورۃ بقرہ مکمّل کی۔حالانکہ عربی زبان تو ان کی مادری زبان تھی۔اس لئے ان کو تو صرف ونحو کی ضرورت ہی نہیں تھی، پھر اڑھائی سال کیسے لگے؟ معلوم ہوا کہ وہ حضرات ایک ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ادھر ان کی سورۃ مکمّل ہوتی تھی اور ادھر ان کا عمل اس سورۃ پر مکمّل ہوتا تھا۔کیا کبھی ہم نے اس نیت سے قرآن مجید کو کھولا؟ اس محنت کو کرنا چاہیے، اس محنت کو کیسے

بغیر وہ کمال حاصل نہیں ہو سکے گا جو ہمارے اسلاف کو حاصل تھا زندگی کے اندر یہ نعمتیں حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا تزکیہ اور احسان کی محنت کہلاتا ہے۔

جوتیاں سیدھی کرنے سے تکبّر کا خاتمہ :

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی حسین وجمیل تھے۔ان کی طبیعت میں نفاست بھی بہت تھی۔وہ اچھے اور صاف کپڑے پہنتے تھے۔دیکھنے والے حیران ہو کر کہتے تھے کہ

مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ (یوسف:31) یہ تو کوئی انسان نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے۔

وہ اپنا واقعہ خود لکھتے ہیں کہ میں چھوٹی عمر میں ہی مہتمم بن گیا تھا......چھوٹی عمر اور مہتمم ......اس کی وجہ سے ان میں کچھ خود پسندی سی آ گئی تھی......یہ مہتمم کا لفظ ھم سے بنا۔یہ ھم عربی زبان کا ہے اردو کا نہیں۔اردو کے ہم کا مطلب ہوتا ہے"ہم ہی ہم ہیں"اور عربی کے ھم کا مطلب "غم" ہوتا ہے......چونکہ ان کی عمر چھوٹی تھی اس لئے ان میں غم والے ھم کی بجائے"ہم ہی ہم" والا ہم تھا۔

ان کی بیعت کی نسبت حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھی۔جب انہوں نے محسوس کیا کہ میرے اندر خود پسندی آ گئی ہے تو انہوں نے حضرت اقدس تھانویؒ کو خط لکھا کہ حضرت! میں اپنے اندر یہ چیز محسوس کرتا ہوں۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس آ جاؤ۔چنانچہ انہوں نے اہتمام کو چھوڑا اور حضرت کے پاس آ گئے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے علاج تجویز فرمایا......دیکھو، جو حاذق طبیب ہوتا ہے وہ بندے کی بیماری کے مطابق دوا دیتا ہے......انہوں نے ان کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی کہ خانقاہ میں جو لوگ آتے ہیں وہ اپنے جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں

۔آپ نے ان کے جوتوں کو سیدھا کرنا ہے......اب نوجوان اور اتنے اختیارات کے مالک اور اتنے علم والے......ان کو جوتے سیدھے کرنے پر لگا دیا۔شروع میں طبیعت کو ناگواری تو محسوس ہوئی مگر شیخ کے حکم پر جوتے سیدھے کرنے شروع کر دیئے۔

حضرت تھانویؒ نے ان پر نظر رکھی کہ کیسے جوتے سیدھے کرتے ہیں۔ایک مرتبہ حضرتؒ نے دیکھا کہ جو نئے نئے جوتے ہیں ان کو بالکل سیدھا کر کے رکھتے ہیں اور جو گندے اور پرانے ہیں ان کو بس تھوڑا سا ہاتھ لگاتے ہیں۔حضرت سمجھ گئے کہ ابھی اندر سے تکبّر نہیں نکلا۔حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ پرانے جوتوں کو پہلے ٹھیک کرو۔فرماتے ہیں کہ بس حضرت کا یہ حکم ہونا ہی تھا کہ میرے اندر سے عجب اور تکبّر سب کچھ نکل گیا،چند دن جوتیاں سیدھی کرنے نے میرے من کے اندر سے تکبّر کو بالکل ختم کر دیا۔

تکبّر ایک ایٹمی گناہ ہے:

یہ لفظ جس کا مادہ ک،ب،ر ہے یہ بڑی بری بیماری ہے۔حدیثِ پاک میں فرمایا گیا

لَایَدْ خُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی تکبّر ہوگا۔

مثقال ذرہ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ تکبّر ایک ایٹمی گناہ ہے۔جیسے لوگ ایٹمی اسلحہ سے بڑا ڈرتے ہیں اسی طرح اس گناہ سے بھی انسان کو بچتے رہنا چاہیے کیونکہ جس طرح ایٹمی اسلحہ بہت زیادہ تباہی پھیلاتا ہے اسی طرح تکبّر بھی انسان کو اتنا نقصان دیتا ہے کہ اس کا سارا کیا کرایا تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔اس لئے مشائخ اس پر محنت کرتے ہیں تاکہ انسان کے اندر سے یہ بیماری نکل جائے

بڑے بڑے مشائخ کو اپنی تربیت کی فکر:

بڑے بڑے مشائخ نے اپنے آپ کو تربیت کے لئے پیش کیا۔

☆ ...... حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث تھے۔ وہاں وہ بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ بخاری شریف پڑھانے میں ان کا اتنا بڑا شہرہ تھا کہ لوگ ہزاروں میل دور سے انکے پاس بخاری شریف پڑھنے کے لئے مظاہر العلوم میں جاتے تھے۔ عین اسی وقت جب وہ بخاری شریف کے استاد تھے انہوں نے حضرت اقدس تھانویؒ کو خط لکھا اور اپنے آپ کو بیعت کے لئے پیش فرما دیا...... آخر کوئی نعمت تو تھی جس کی تلاش میں ان کو بھی اپنے آپ کو پیش کرنا پڑا

☆ ...... سید سلیمان ندویؒ بہت بڑے عربی دان تھے لیکن وہ بھی حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔

☆ ...... حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند سے پڑھا اور دارالعلوم دیوبند میں ہی پڑھانے لگ گئے۔ مفتی اور استاذِ حدیث تھے مگر محسوس کرتے تھے کہ جو کیفیات اندر ہونی چاہئیں وہ نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی فکر کے ساتھ حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے انہوں نے بیعت کی اور حضرت کے اجل خلفاء میں سے ہوئے۔

☆ ...... خود حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سینکڑوں کتابیں ہیں۔ ان کی یہ کتابیں علمی اعتبار سے ایک مقام رکھتی ہیں۔ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو منع فرمایا کرتے تھے کہ اردو زبان کی کتابیں مت پڑھا کرو کیونکہ ان میں علم نہیں ہوتا، بلکہ عربی کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا کرو۔ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی نظر سے گزری تو آکر درس میں طلبا کو فرمایا کہ میں اب تک تمہیں اردو زبان میں لکھی ہوئی کتابوں سے منع کرتا تھا کیونکہ ان میں اتنا علم نہیں ہوتا بلکہ اصل ماخذ اور مراجع کی طرف رجوع کیا کرو، لیکن میں نے جب سے تفسیر

بیان القرآن کا مطالعہ کیا ہے تب سے پتہ چلا ہے کہ اردو زبان میں بھی علم موجود ہے......ان کی کتابوں میں ایسا علم تھا کہ جس کی تصدیق حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرما دی......حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے کمالات کے باوجود حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں وہ کیفیات اور واردات حاصل کرنے کے لئے گئے جن سے انسان کے اندر ایمان بڑھتا ہے اور اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ٹھاٹھیں مارتی ہے۔اسی کا نام تربیت ہے۔

اگر کسی کو ناز ہے تو......

یادرکھئے کہ

......اگر کسی کو فلسفہ و منطق پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی قوتِ حافظہ پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی فقاہت پر ناز ہے تو وہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی اقامتِ دین کی کوششوں پر ناز ہے تو وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو تبلیغِ دین پر ناز ہے تو وہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی تحریر پر ناز ہے تو وہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو اپنی تقریر پر ناز ہے تو وہ امیرِ شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے۔

......اگر کسی کو عربی دانی پر ناز ہے تو وہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے

......اگر کسی کو اپنی تدریس پر ناز ہے تو وہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو دیکھے کہ انہوں نے اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ میں درسِ حدیث دیا اور بالآخر تربیت پانے کے لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ جتنے اکابر کے نام لئے، وہ اپنے اپنے فن کے مشاہیر تھے مگر انہوں نے تربیت پانے کے لئے مشائخ سے بیعت کی اور باقاعدہ ان کی صحبت میں وقت گزارا۔ اگر ان حضرات کو مشائخ کی صحبت میں وقت گزارنا پڑا تو اگر ہم بھی ان نعمتوں کو چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے آپ پر محنت کے لئے کچھ وقت گزارنا پڑے گا۔

اللہ والے بن جاؤ:

علما اور طلبا کو خاص طور پر ان مشائخ کی صحبت میں رہ کر تربیت پانی چاہیے کیونکہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں :

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ (ال عمرن: 79) تم بن جاؤ رب والے کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور درس و تدریس کا کام کرتے ہو۔

یہ کونوا امر کا صیغہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ حکماً ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے قرآن پڑھنے والو! اے میری کتاب کے وارث بننے والو! تم اللہ والے بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ درس و تدریس کا کام کرنے والوں کو بہت زیادہ اس کی محنت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ پروردگارِ عالم نے ان کو مخاطب کر کے حکم دیا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیں اور ہم اپنے علم کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیں تا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا وہ چیز ہمارے اوپر اپنا رنگ ڈال دے اور ہم اللہ کے رنگ میں رنگے جائیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر معاملے میں اللہ کی طرف رجوع کریں اور یہ رجوع بے اختیار ہونا چاہیے۔ جیسے چھوٹے بچے کو ماں مارے تو وہ "اماں" پکارتا ہے، اگر اسے کوئی غیر مارے تو وہ "اماں" پکارتا ہے،

اگر اس نے کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر کوئی اس سے کوئی چیز چھینے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے، اگر وہ گر پڑے تو وہ ''اماں'' پکارتا ہے۔ جیسے اس بچے کے ذہن میں ماں کے ساتھ ایسا تعلّق ہے کہ وہ ہر غم اور خوشی میں اپنی ماں کو یاد کرتا ہے، مؤمن کو چاہیے کہ اس کا اللہ رب العزت کے ساتھ بھی ایسا تعلّق ہو کہ وہ ہر خوشی اور غمی میں، ہر قدم پر اور ہر موڑ پر اس کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو اور وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف رجوع کر رہا ہو۔

نور کی کرنیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں حج پر گیا، جب میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لئے مواجہہ شریف پر حاضر ہوا تو میں نے خود دیکھا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قلبِ اطہر سے ایک نور آ رہا تھا اور اس نور کی کرنیں باریک باریک سنہری دھاگوں کی شکل میں ان لوگوں کے دلوں پر پڑ رہی تھیں جو حدیثِ پاک کی خدمت کرتے تھے۔ سبحان اللہ...... چونکہ یہ نبی ﷺ کے وارث ہیں اس لئے تھوڑی محنت پر بھی ان کی زیادہ پذیرائی ہو تی ہے اور انہیں جلدی قبولیت نصیب ہو جاتی ہے۔

نبی علیہ السّلام کی دعوت:

سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بہت وسیع ہوتا تھا۔ وہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی مخلوق کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ انکی طرف سے اذنِ عام تھا کہ جو آئے کھانا کھائے۔ چنانچہ غریب، یتیم، مسکین اور نادار لوگ آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے تھے۔ ان کو ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، توکل شاہ! تم اللہ تعالیٰ کی دعوت تو روزانہ کرتے ہو لیکن تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی۔ اسکے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بڑے پریشان ہوئے کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ انھوں نے رورو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ پروردگارِ عالم! اس خواب کی حقیقت کو واضح فرما دے۔ بالآخر ان کے دل میں ڈالا گیا کہ تم اللہ کی مخلوق کو اللہ کیلئے ہر روز کھلاتے ہو مگر تم نے میرے نبی ﷺ کے وارثوں یعنی علماء، طلباء اور قراء کو اپنے دسترخوان پر اہتمام کے ساتھ کبھی نہیں بلایا۔ اس لئے فرمایا کہ تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی۔ چنانچہ انہوں نے شہر بھر کے علماء طلباً اور قراء کی دعوت کی اور پھر یہ سمجھے کہ گویا میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دعوت فرمادی ہے۔

طالبِ علم کی دعا کی برکت:

سلطان محمود غزنوی کے دل میں تین باتیں کھٹکتی تھیں۔

(۱) ایک بات تو یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ میں سبکتگین کا بیٹا ہوں اور سبکتگین تو پہلے بادشاہ نہیں تھا بلکہ ایک فوجی تھا، پھر بادشاہ بنا۔ کیا میری نسبت صحیح ہے یا کچھ اور ہے۔

(۲) دوسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ دین کے مختلف شعبے ہیں لیکن سب سے افضل اور بہتر شعبہ کون سا ہے، یعنی امت میں سے جو سب سے اعلیٰ لوگ ہیں وہ کون ہیں؟

(۳) تیسری بات یہ دل میں کھٹکتی تھی کہ مجھے بڑے عرصے سے نبی علیہ السّلام کی زیارت نصیب نہیں ہوئی اس لیے مجھے زیارت نصیب ہو جائے۔

ایک مرتبہ وہ گلی میں راؤنڈ کر رہے تھے۔ انہوں نے باہر آ کر ایک طالبعلم کو کسی روشنی میں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم مسجد میں کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے کہا کہ مسجدوں کے اندر روشنی کا انتظام نہیں ہے۔ یہ ایک بندے کے گھر کے باہر روشنی جل رہی ہے اس لئے میں یہاں بیٹھ کر مطالعہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا، بچے! تم جاؤ اور میں آج کے بعد تمہارے لئے روشنی کا انتظام کروا دوں گا۔ جب طالب

علم نے روشنی دیکھی تو اس نے دعا کر دی کہ اے اللہ! اس بندے کی مرادیں پوری کر دے۔ چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی گھر آئے تو ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اے سبکتگین کے بیٹے! تو نے میرے وارث کی عزت کی، اللہ تعالیٰ تجھے دنیا اور آخرت میں عزتیں عطا فرمائے۔''

سبحان اللہ! اس طالب علم کی دعا کی برکت سے سلطان محمود غزنوی کی تینوں مرادیں پوری ہوگئیں۔

......ایک تو انھیں نبی علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہوگئی۔

......دوسرا ان کے دل میں اپنے نسب کے بارے میں جو چھوٹی موٹی باتیں تھیں وہ ختم ہوگئیں۔

......تیسرا ان کو یہ پتہ چل گیا کہ علمائے کرام ہی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وارث ہیں اور یہی لوگ دوسروں سے افضل ہیں۔

ہر ہفتے نبی علیہ السّلام کی زیارت:

ہمارے ایک تعلّق والے دوست ہیں۔ وہ الحمدللہ حافظ الحدیث ہیں۔ ایک دفعہ وہ اپنے اسباق اور اپنی کیفیات کے بارے میں بیٹھے بتا رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ بخاری شریف کے حافظ ہیں، کیا آپ نے ان احادیث مبارکہ کی برکات کا بھی مشاہدہ کیا ہے؟ وہ فرمانے لگے، حضرت! میں اس بات پر حیران ہوں کہ حفظِ حدیث کے بعد میرے اوپر اللہ کا ایسا فضل ہوا کہ میرا کوئی ہفتہ بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت سے خالی نہیں گزرتا۔ کم از کم ایک بار اور کبھی کبھی ایک سے زیادہ بار مجھے نبی علیہ السّلام کی زیارت ہوتی رہتی ہے...... الحمدللہ! آج بھی وہ اسوقت دنیا میں زندہ ہیں۔ حدیث پاک کی محبّت نے انہیں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایسا قرب عطا کر دیا کہ انہیں ہر ہفتے میں نبی علیہ السّلام کی زیارت ہوتی رہتی ہے۔ سبحان اللہ

ان کا رونا پسند آ گیا:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث پاک کی خدمت کی وجہ سے بہت زیادہ نبی علیہ السّلام کی زیارت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کچھ ہفتوں کے لئے ان کو زیارت ہونا بند ہوگئی تو حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو غم کی وجہ سے اسہال لگ گئے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی غلطی اور کوتاہی نہ ہوگئی ہو جس کی وجہ سے سزا کے طور پر مجھے اس نعمت سے محروم کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ خوب روئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا رونا پسند آ گیا اور اللہ رب العزت نے اس نعمت کو واپس لوٹا دیا۔ سبحان اللہ...... تو یہ علما اور طلبا جب ذرا آگے قدم بڑھاتے ہیں تو پھر ان کے اوپر اللہ رب العزت کی خاص رحمت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پذیرائی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی بڑھاپے کی عمر شروع ہو چکی تھی۔ وہ اکثر بھول جایا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب! میں آپ کی باتیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلا دی۔ نبی علیہ السّلام نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے ایسا اشارہ فرمایا جیسے کسی کی گٹھڑی میں کچھ ڈال رہے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! اب چادر کی گٹھڑی باندھ لو۔ چنانچہ انھوں نے گٹھڑی باندھ لی۔ اللہ رب العزت نے ان کو ایسا حافظہ دیا کہ اس کے بعد وہ کوئی بات نہیں بھولتے تھے۔ سبحان اللہ! علم کے حصول کے لئے انہوں نے قدم بڑھایا اور استاد نے دعائیں دیں، جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں پذیرائی عطا فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''مولوی'' قسم کے صحابی تھے، وہ احادیث اکٹھی کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اسی لئے اس سب سے زیادہ روایات بھی انہی کی ہیں۔ سبحان اللہ۔

یادداشت ہوتو ایسی ......!!!

ایک مرتبہ عبدالملک نے سوچا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ احادیث کی روایت کرتے ہیں، کیا یہ روایات من وعن انہی الفاظ کی ہیں جو نبی علیہ السّلام کے تھے یا روایت بالمعنیٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کی دعوت کی۔ اور بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا گیا۔ اس نے ایک پردہ لٹکا کر اس کے پیچھے دو کاتب حضرات کو بٹھا دیا اور انہیں کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو بولیں گے آپ لوگوں نے لکھنا ہے۔ دو بندے اس لئے بٹھائے کہ آپس میں بھی تطبیق ہو سکے۔

جب محفل شروع ہوئی تو عبدالملک کہنے لگا، حضرت! آپ نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بہت باتیں سنیں، آپ مہربانی فرما کر ہمیں بھی ان کی کچھ باتیں سنا دیجئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس محفل میں ایک سو احادیث روایت فرمائیں اور لکھنے والوں نے لکھ لیں مگر کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد محفل برخاست ہوگئی۔

ایک سال کے بعد اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ دعوت دی۔ اس بار اس نے پھر پردے کے پیچھے انہی دو آدمیوں کو بٹھا دیا اور کہا کہ اپنے گزشتہ نوٹس نکالنا اور ملاتے جانا، میں ان سے درخواست یہ کروں گا کہ آپ نے جو احادیث پچھلی مرتبہ سنائیں ان کا بڑا مزہ آیا، آپ مہربانی فرما کر وہی حدیثیں آج پھر سنا دیجئے۔ چنانچہ جب محفل لگی تو اس نے کہا، حضرت! جو حدیثیں آپ نے پچھلے سال سنائی تھیں وہ سن کر بڑا مزہ آیا تھا، آپ وہی حدیثیں آج پھر سنائیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر وہی ایک سو احادیث سنائیں۔ دونوں کاتب ورطہء حیرت میں پڑ گئے کہ کہیں ایک حرف کا بھی فرق نہ آیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کو Photographic memory عطا فرمائی تھی۔

علم دوستی ہوتو ایسی ......!!!

ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ وقت کے بادشاہ نے ان سے کوئی فتوٰی مانگا مگر انہوں نے فتوٰی نہ دیا۔ اسے غصہ آیا اور ان کو قید کروا دیا۔ جب تین دن گزرے تو بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ اس وقت ایک ایسا نوجوان جس کی اٹھتی جوانی تھی، اس کے چہرے پر نورانیت اور معصومیت کا حسین امتزاج تھا۔ وہ نوجوان زاروقطار رو رہا تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھا اس کا دل پسیج گیا اور ہر بندے نے توقع کی کہ بادشاہ سلامت اس طالب علم کی مراد ضرور پوری کریں گے۔ جب بادشاہ نے دیکھا تو اس نے بھی وعدہ کیا کہ اے نوجوان! تو کیوں اتنا رو رہا ہے، تو ڈر نہیں، تو جو بھی کہے گا ہم تیری بات ضرور پوری کریں گے۔ جب اس نے یہ وعدہ کیا تو طالبعلم نے فریاد پیش کی کہ بادشاہ سلامت! آپ مجھے قید خانے میں بھیج دیجئے۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا کہ قید خانے میں جانے کے لئے تو کوئی اس طرح نہیں روتا۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ آپ قید خانے میں جانے کے لئے اتنا کیوں رو رہے ہیں۔ طالب علم نے کہا،

''بادشاہ سلامت! آپ نے میرے استاد کو تین دنوں سے قید خانے میں بند کر رکھا ہے جس کی وجہ سے میرا سبق قضا ہو رہا ہے، اگر آپ مجھے قید میں ڈال دیں گے تو میں قید و بند کی مشقتیں تو برداشت کر لوں گا مگر اپنے استاد سے سبق تو پڑھ لیا کروں گا۔''

یوں پہلے وقتوں میں شاگرد اپنے اساتذہ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ جبکہ آج تو علم دوستی نکلتی جا رہی ہے۔ ہم نے ٹی وی کو دوست بنا لیا ہے اور باقاعدگی کے ساتھ اس پر تماشے دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرآن کو کھول کر بیٹھنے کی بہت کم فرصت ملتی ہے۔ کئی گھر ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر قرآن مجید کھولا ہی نہیں جاتا۔ الّا ماشاءاللہ

چار مردوں کا جہنّم میں داخلہ:

مرد سمجھتے ہیں کہ عورتوں کو تو دینی تعلیم کی ضرورت ہی نہیں۔ان کو تو بس کچن کا کام آنا چاہیے۔کھانا بھی بنا ئیں،مٹھائیاں بھی بنائیں اور سویٹ ڈشز بھی بنائیں۔ہمارے معاشرے میں آج وہ عورت ہنرمند سمجھی جاتی ہے جو کچن ورک کی ماہر ہو......یاد رکھیں کہ یہ بوجھ مردوں کی گردن پر ہوگا......وہ عورتیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور عذر پیش کریں گی کہ انہوں نے ہمارے لئے دین کے راستے بند کئے تھے۔نہ وہ خود گھر میں نیکی کی تلقین کرتے تھے اور نہ ہی ہمیں ایسی مجالس میں لے کر جاتے تھے جہاں ہم نیکی کی باتیں سن پاتیں،اس وجہ سے ہم نیک نہ بن سکیں...... چنانچہ ان عورتوں کی وجہ سے ان مردوں کا مؤاخذہ ہوگا۔اسی لئے روایت میں آتا ہے کہ ایک جہنمی عورت اپنے ساتھ چار نیک مردوں کو لے کر جہنم میں جائے گی۔

(۱) باپ کو (۲) میاں صاحب کو (۳) بھائی جان کو (۴) بیٹے کو

وہ کہے گی کہ میں گھر کی دھوبن اور باورچن بنی رہتی تھی، یہ کام کرتی تھی تو سارے مجھ سے خوش تھے، میں دین پر عمل نہیں کرتی تھی مگر مجھے کوئی پوچھتا ہی نہیں تھا کہ تو نے دین پر عمل کیوں نہیں کیا۔

دورۂ حدیث کے بعد دورۂ حدیث:

جو علم کے قدردان ہیں وہ ساری زندگی اپنے آپ کو علم میں بڑھاتے ہیں۔اور آج یہ گزارش علمائے کرام کی خدمت میں بھی کرنی ہے کہ وہ بھی مدرسے سے نکلنے کے بعد اپنے علم میں اضافہ کرتے رہیں اور اپنے علم کو تازہ بھی رکھیں۔ذرا پوچھیں کہ کتنے علماء ہیں جنہوں نے دورۂ حدیث کے بعد حدیثِ پاک کا دورہ کیا ہو۔یعنی ایک دورہ تو وہ جو استادوں سے کیا،اس کے بعد بھی کبھی حدیث کا دورہ کیا۔یاد رکھیں کہ ہمارے اسلاف جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے اسی طرح احادیث کی کتب کی باقاعدہ روزانہ تلاوت کرتے تھے۔جیسے ہم کچھ وقت کے بعد قرآن مجید کا ختم کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے نفع

کے لئے بخاری شریف، مسلم شریف اور دوسری کتبِ حدیث کا ختم کیا کرتے تھے جس سے ان کا علم تازہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جس علاقے میں قحط پڑ جاتا تھا یا کوئی ناگہانی مصیبت آجاتی تو وہاں بخاری شریف کا ختم کروایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شہر سے مصیبت کو دور فرما دیا کرتے تھے۔ آج تو علما کی زندگیوں میں بھی یہ چیز نہیں پائی جاتی۔ البتہ کبھی کبھی وعظ و نصیحت اور بیان کے لئے پڑھ لیتے ہیں اور بس۔

اخباری جمعہ کی مذمت :

بعض جگہوں پر تو ''اخباری جمعہ'' ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جی میں نے جمعہ پڑھانا ہے دو چار اخبار لے آؤ۔ اب اخباری جمعہ سے قوم کی تقدیر کیا بدلے گی۔ پہلے وقتوں میں جمعہ پڑھانے کے لئے تفسیروں کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور آج اخبار بینی کی جاتی ہے۔ گویا علم دوستی نکلتی چلی جا رہی ہے۔ پہلے ہمارے اکابرین اس وقت تک سوتے نہیں تھے جب تک کہ وہ کچھ وقت کے لئے مطالعہ نہیں کر لیتے تھے اور آج اس وقت تک نہیں سوتے جب تک آپس میں مل کر گپیں نہیں لگا لیتے۔ ہمارے اکابرین صبح اٹھتے ہی شوق سے تلاوت کیا کرتے تھے اور آج کے حضرات دن کی ابتدا اخبار کی تلاوت سے کرتے ہیں۔

مطالعہ کی اہمیت:

مطالعہ کرنے کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا پیغام علم حاصل کرنے کے لئے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ تھا ''اقراء'' اسکا مطلب ہے ''پڑھ'' مگر افسوس کہ ہمارے دلوں میں اس پہلے لفظ کی محبّت پیدا نہیں ہوتی۔ حق تو یہ ہے کہ بندہ مؤمن کو پوری زندگی علم میں آگے بڑھنا چاہیے اور اس علم سے مراد دین کا علم ہے۔ علم میں ہر روز ترقی ہونی چاہیے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کے دو دن ایک جیسی

حالت میں گزرے وہ انسان مغبون یعنی گھاٹے میں ہے۔یعنی دو دن بھی ایک جیسے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہر روز بندے کے علم اور عمل میں ترقی ہونی چاہیے۔ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن سے بہتر ہونا چاہیے۔اور برابر تو کیا ہمارا ہر آنے والا دن پہلے دن سے تنزلی والا ہوتا ہے اور اعمال کے اعتبار سے گر رہے ہوتے ہیں۔ یادرکھیں کہ جب ہم علم دوست بنیں گے تو امت کے اندر علم آئے گا اور عمل کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔انبیائے کرام کے طریقے پر علم پڑھنے والے اور اپنی اولادوں کو علم پڑھانے والے علم دوست ہوتے ہیں۔

کتابوں کا خزینہ:

آپ جتنا علم پڑھ سکتے ہیں پڑھ لیں اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ہم نے اپنی عمر میں جتنا علم حاصل کیا ہمارے اکابر اتنا علم حاصل کر کے شاید بھول ہی جایا کرتے تھے۔یعنی ہمارے اکابر اتنا علم حاصل کرتے تھے کہ ان کا بھولا ہوا علم ہمارے حاصل کردہ علم سے زیادہ ہوتا تھا۔یقین جانیں کہ ان کے دماغ میں کتابیں ہوتی تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کا دماغ کتابوں کا خزینہ ہوتا تھا۔

قوتِ حافظہ کا کمال:

جب بہاولپور میں ختمِ نبوت کے سلسلے میں مقدمہ ہوا تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔مخالفین نے وہاں ایک کتاب پیش کی۔اس کتاب کا ترجمہ مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف بنتا تھا۔وہ کتاب بھی مسلمانوں کے اکابرین کی تھی۔جج بڑا حیران ہوا۔اس نے کہا کہ دیکھو یہ تو تمہاری اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں جو تمہاری ہی جڑیں کاٹ رہی ہے۔علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذرا وہ کتاب مجھے دکھائی جائے۔جج نے کتاب دکھائی۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے صفحے کا مطالعہ کیا اور فرمانے لگے کہ جس کاتب نے یہ کتاب لکھی ہے اس سے اصل کتاب سے لکھتے

ہوئے درمیان میں سے ایک سطر چھوٹ گئی ہے۔......اس وقت تو مطبوعہ کتابیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ مخطوطہ کتابیں ہوتی تھیں......اس سطر کے چھوٹ جانے کی وجہ سے جب پچھلی عبارت کو اگلی عبارت سے ملا کر پڑھتے تو معانی مخالف بن جاتے۔لہٰذا حضرت نے فرمایا کہ اسی کتاب کا ایک نسخہ اور منگوایا جائے۔ چنانچہ ایک اور نسخہ منگوایا گیا۔ جب دونوں نسخوں کو ملایا تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بات بالکل ٹھیک نکلی۔ چنانچہ اس طرح مخالفین کے جھوٹ کا پول کھل گیا۔لیکن بعد میں علما نے کہا، حضرت! آپ کو تو توقع ہی نہیں تھی کہ وہ اس کتاب کا حوالہ پیش کریں گے، آپ کو کیسے یاد رہا کہ درمیان سے ایک سطر چھوٹی ہوئی ہے؟ فرمایا، ہاں! میں نے ستائیس سال پہلے یہ کتاب دیکھی تھی، الحمدللہ کہ مجھے اس وقت سے یہ بات یاد ہے۔سبحان اللہ

عصیان نسیان کا موجب ہے:

یاد رکھنا کہ بندہ عصیان سے نسیان کا مریض بنتا ہے...... یہ بات لوہے پر لکیر کی مانند ہے......آج کل طالب علم جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت! دعا فرمائیں میں بھول جاتا ہوں۔ یہ سب گناہوں کا وبال ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے نصیحت کی کہ گناہ کرنا چھوڑ دے۔اسلئے کہ علم اللہ رب العزت کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

علم کی نسبت:

ہمارے پاس علم تو ہوتا ہے لیکن علم کی نسبت نہیں ہوتی۔نسبت اس نور کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السّلام کے اقوال، اخبار اور افعال کو اپنانے کی وجہ سے بندے کے سینے میں منتقل ہوتا ہے۔اگر وہ نسبت کا نور آجائے تو واضح فرق نظر آئے گا۔جس کو اس نسبت کا نور مل گیا اسے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت نصیب ہو

گئی۔

شریعت کی قلعی:

ہم لڑکپن میں برتن قلعی کرنے والے کو بیٹھ کر دیکھا کرتے تھے۔ ہمیں خوشی ہوتی تھی کہ برتن چمکدار بن جاتے ہیں۔ وہ صدا لگاتا تھا کہ ''برتن قلعی کرالو'' ہم بھی امی کو اصرار کے ساتھ کہتے تھے کہ امی! آپ بھی برتن قلعی کروالیں۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہم بھی دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ہم اس کے پاس برتن لے کر جاتے تھے۔ وہ آگ کی بھٹّی میں رکھ کر برتنوں کو گرم کرتا تھا۔ پھر ان کے اوپر نوشادر لگا کر ان کا میل اتارتا تھا۔ اس کے پاس قلعی ہوتی تھی۔ وہ میل اتارنے کے بعد ان کے اوپر ہلکی سی قلعی ٹچ کر کے ایک لائن لگاتا اور بعد میں وہ پورے برتن پر اس قلعی کو ایسے پھیرتا کہ اس کی ایک تہہ برتن پر چڑھ جاتی تھی ......مشائخ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ وہ سالک کو مجاہدے کی بھٹّی میں ڈال کر ذکر کے ذریعے اس کا تزکیہ نفس کرتے ہیں۔ گویا وہ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ کے مصداق ذکرِ الٰہی کا نوشادر لگاتے ہیں، جس سے اس کے دل کا برتن صاف ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جب وہ اس کے اوپر شریعت کی قلعی پھیرتے ہیں تو پھر اس کی پوری شخصیت شریعت کے مطابق بن جاتی ہے۔

رجال اللہ کی اہمیت:

یہ تزکیہ کسی شیخ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اگر انسان اپنا تزکیہ خود کرسکتا ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو نہ بھیجتے ،فقط کتاب بھیج دیتے اور بندوں سے کہہ دیتے کہ اس کے مطابق عمل کرو۔ ایسا تو ہوا کہ نبی علیہ السّلام تشریف لائے اور کتاب نہ آئی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب آئی ہو اور نبی علیہ السّلام تشریف نہ لائے ہوں۔ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے رجال اللہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب بندہ کسی شیخ کی صحبت میں

رہ کر محنت کرتا ہے تو اس کے اوپر علم کی نسبت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے کسی عارف نے کہا،

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پا مال شو

علم قال کو چھوڑ کر علم حال کے بندے بن جاؤ اور اپنے آپ کو ایک کامل ولی کے سامنے پامال کر دو۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن جان و دل را جانبِ دلدار کن

سو کتابوں اور سو اوراق کو آگ میں ڈال دو اور اپنے جان و دل کو دلدار کے حوالے کر دو۔

انسان ناشکرا ہے:

میرے دوستو! جتنا ناقدرا انسان ہے اتنا ناقدرا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۝ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ۝ (العدیت:7-6) بے شک انسان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے اور یہ خود بھی اس ناشکری کے اوپر گواہ ہے۔

اگر ہم اپنے دل کو جھانک کر دیکھیں تو دل گواہی دے گا کہ ہم واقعی ناشکرے ہیں۔ ذرا سی تنگی آئے تو سب سے پہلے عبادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ ہماری استقامت کا یہ حال ہے۔ کہتے ہیں جی کہ کاروبار کی پریشانی ہے، یہ ختم ہو لے پھر نماز پڑھیں گے۔ استغفراللہ۔ تو سب سے پہلے رب کا دروازہ چھوٹتا ہے۔

کتے کی نصیحت:

ایک متوکل صاحب اللہ پر توکل کرنے کی محنت کر رہے تھے۔ وہ ایک ویرانے میں عبادت کر رہے تھے۔ انہیں اللہ کی رحمت سے روزانہ کھانا مل جاتا تھا۔ ان کو تین سال تک کھانا ملتا رہا۔ ایک مرتبہ انہیں کھانا ملنا بند ہو گیا۔ تین دن کا فاقہ ہونے کی وجہ سے لاچار ہو گئے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ کسی بندے سے جا کر کھانا لانا پڑے گا۔ لہٰذا وہاں سے گئے اور کسی بندے کے در پر جا کر سوال کیا۔ ان بندے نے اس کو تین

روٹیاں دے دیں۔

وہ روٹیاں لے کر آ رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا ان کے پیچھے لگ گیا۔ وہ اس قدر شدت سے بھونک رہا تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ مجھے کھا ہی جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے جان چھڑانے کے لئے کتے کو ایک روٹی پھینک دی۔ کتے نے وہ روٹی کھا لی اور پھر ان کے پیچھے بھاگا۔ پھر انہوں نے جان چھڑانے کے لئے دوسری روٹی بھی ڈال دی۔ اس نے وہ روٹی بھی کھا لی اور پھر ان کے پیچھے دوڑا۔ ابھی منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ کتا پھر ان کے پاس پہنچ گیا۔ چنانچہ انہوں نے جان چھڑانے کے لئے تیسری روٹی بھی پھینک دی۔ کتے نے تیسری روٹی بھی کھا لی۔ جب انہوں نے تیسری روٹی ڈالی تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم کتنے ظالم ہو کہ میرے لئے ایک روٹی بھی نہ بچائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتے کو بات کرنے کی توفیق عطا فرما دی...... جی ہاں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو بلوا دیتے ہیں...... کتے نے ان سے کہا،

”میں ظالم نہیں ہوں بلکہ تم ظالم ہو“

انہوں نے کہا، ”وہ کیسے؟“

کتا کہنے لگا، ”وہ اس طرح کہ آپ کا مالک آپ کو تین سال تک ایک ہی جگہ بٹھا کر رزق دیتا رہا، پھر تین دن روٹی نہ ملی تو آپ نے رب کا در چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر جا کر دستک دے دی۔ اور مجھے دیکھو کہ میرا مالک مجھے کئی کئی دن روٹی نہیں ڈالتا، میں بھوکا تو رہ لیتا ہوں مگر مالک کا در کبھی نہیں چھوڑتا۔“

ایک ناصحانہ کلام:

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا پنجابی زبان میں ایک کلام ہے۔ آپ شاید کہ سمجھ تو نہیں پائیں گے تاہم میں اس کا ترجمہ کر دوں گا۔ سنئے ذرا:

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیتھوں اتے

رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیتھوں اتے
تو ناشکرا اتے پلنگاں اوہ شاکر روڑیاں اتے تیتھوں اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیتھوں اتے
اٹھ بلھیا توں یار منا لےنئیں تے بازی لے گئے کتے تیتھوں اتے

تو رات کو جاگتا ہے اور اپنے آپ کو شیخ کہلواتا ہے، رات کو تو کتے بھی جاگتے ہیں، کتے تجھ سے بہتر ہیں......وہ روکھی سوکھی روٹی کھا لیتے ہیں اور ساری رات جاگ جاگ کر مالک کے گھر کا پہرہ دیتے ہیں اور صبح کے وقت ان کے لئے نرم بستر نہیں ہوتے بلکہ کسی دیوار یا درخت کی اوٹ میں بغیر بستر کے زمین پر لیٹ کر سو جاتے ہیں، کتے تجھ سے بہتر ہیں......تو پلنگوں پر سونے کے بعد بھی ناشکری کرتا ہے اور وہ روڑیوں یعنی غلاظت کے ڈھیروں پر بھی سو کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کتے تجھ سے بہتر ہیں......کتے اپنے مالک کا در کبھی نہیں چھوڑتے چاہے ان کا مالک انہیں سو سو جوتے مارے اور تو تو ذرا سی بات پر مالک کا در چھوڑ کر چلا جاتا ہے، کتے تجھ سے بہتر ہیں......او بلھیا! اٹھ تہجّد کا وقت ہے تو اپنے پروردگار کو راضی کر لے ورنہ تجھ سے بازی لے جائیں گے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے مالک کا وفادار بن کر رہنے کی توفیق عطا فرما دے، ہم سب کو علم کی نسبت کا نور عطا فرمائے اور اس نسبت کو مضبوط سے اضبط کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور موت سے پہلے پہلے موت کی تیاری کی توفیق عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ